Al-Āfāq, Vol.: 01, Issue: 01, Jun-2021
PP: 33-54

OPEN ACCESS
Al-Āfāq
ISSN (P): 2789-3820
ISSN (O): 2789-3839

معاشی واسلامی بینکاری کے تناظر میں نفع ونقصان کے شرعی اور جدید تصورات

A review of Islamic and modern worldview on profit & loss in businesses: Contextualizing contemporary practices of Islamic banking

Waqas Ali Haider
Research and Training Head,
Leading Edge Academic Network, Pakistan.
waqas.alihaider@gmail.com
Dr. Abdul Ghaffar
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
University of Okara, Okara, Pakistan.
Muhammad Arsalan Aqeeq
University of Newcastle, NSW, Australia.

ABSTRACT

Businesses are intended to generate profits for the investors by engaging in economic activities. However, the fairness and legitimacy of business activities in terms of their contractual arrangements, margins of profit and the underlying asset-of-trade have been a subject of debate. Over 1.5 Billion Muslims across the world, and 52 Muslim countries look towards Islamic injunctions as the ultimate truth, and divine guidance to define a framework for conceptualizing profit and loss generation in a business. This paper reviews four sources of Islamic knowledge i.e. (i) qur'anic verses, (ii) sayings and practices of the Prophet (PBUH), (iii) commercial contracts, trade arrangements and transactions as practiced in the Prophets era, and (iv) religious opinion drawn on the major school of thoughts. Finally, this paper examines the profit-creation in contemporary Islamic banking practices through the lens of Islamic knowledge to address the contesting views and criticism on the profit-making and sharing arrangements instituted in present-day Islamic Banks. Findings of this paper demarcates the guiding principles to steer general business & commerce activities and specifically the profit-making arrangements for businesses for operationalizing their role in driving the overarching socio-economic welfare in a society.

Keywords: *Profit, Loss, Islamic Banking, Fiqh, Economics, Sunnah, Religious.*

CC BY

عہدِ نبوی ﷺ کے تجارتی مظاہر کے تناظر میں نفع ونقصان کے شرعی تصورات:

کسب مال انسان کی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے، انسان کے بہت سے کام اس کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ کسبِ معاش انسان کے دینی و دنیاوی معاملات کے ساتھ جُڑا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں کسب مال کے اصولوں کو بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا[1]

اور بے عقلوں کو ان کا مال جسے خدا نے تم لوگوں کے لیے سبب معیشت بنایا ہے مت دو (ہاں) اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول باتیں کہتے رہو۔[2]

آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

بے سمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں ان کا وہ مال مت دے دو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے لئے سامان معیشت بنایا ہے، بلکہ اس کی پوری حفاظت رکھو اور اندیشہ ہلاکت سے بچاؤ اور جب تک ان کو نفع نقصان کا ہوش نہ آئے، اس وقت تک ان کو اس میں سے کھلاؤ پہناؤ اور تسلی کرتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے، ہم تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں۔ جب سمجھدار ہو جاؤ گے تم کو ہی دے دیں گے۔[3]

ان آیاتِ مبارکہ میں واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ مال سبب معیشت ہے اور نفع و نقصان کے فرق کو اگر جانے بغیر مال کسی کے ہاتھ میں تھما دیا تو یقینی بات ہے کہ نفع تو جائے گا ہی اور اصل مال بھی ہلاک ہو جائے گا۔ اس آیت مبارکہ سے نفع کے تصور کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے کہ مال جو ہمارے پاس موجود ہو اگر اس کو سرمایہ کاری کے طور پر نہیں لگایا جائے گا تو یقینی بات ہے وہ سرمایہ اپنا اثر کھو بیٹھے گا اس لیے سرمایہ کو لگانے کا جو مقصد ہو گا وہ نفع کا حصول ہی ہو گا۔

الربح یعنی نفع کے حصول کی شرعی حیثیت:

قرآن کریم سے نفع کی مشروعیت:

ا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا[4] حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو[5]

اللہ تعالیٰ نے اس آیات مبارکہ میں بیع کو حلال قرار دیا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کیا جاسکے، یعنی کہ بیع نفع اٹھانے کے لیے حلال ہے، اور سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس سے نفع اٹھانے کی ممانعت کو ذکر کیا ہے۔ اور یہاں بیع سے مراد تمام قسم کی حلال بیع ہے اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ اس کے علاوہ ان تمام صورتوں سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا جن سے شرع نے نفع اٹھانے سے منع کیا ہے۔[6]

تفسیر بیان القرآن میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب فرماتے ہیں:

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میں نے سو روپے کا مال خریدا '۱۱۰ روپے میں بیچ دیا 'دس روپے بچ گئے 'یہ ربح (منافع) ہے 'جو جائز ہے 'لیکن اگر سو روپے کسی کو دیے اور ۱۱۰ واپس لیے تو یہ ربا (سود) ہے 'یہ حرام کیوں ہو گیا؟ ایک

شخص نے دس لاکھ کا مکان بنایا، چار ہزار روپے ماہانہ کرایے پر دے دیا تو جائز ہوگیا، اور دس لاکھ روپے کسی کو قرض دیے اور اس سے چار ہزار روپے مہینہ لینا شروع کیے تو یہ سود ہوگیا، حرام ہوگیا، ایسا کیوں ہے؟ عقلی طور پر اس طرح کی باتیں سود کے حامیوں کی طرف سے کہی جاتی ہیں۔ اس ظاہری مناسبت کی وجہ سے یہ مخبوط الحواس سود خور لوگ ان دونوں کے اندر کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کا عقلی جواب نہیں دیا، بلکہ فرمایا:

(وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا)[7]

معاشیات کے اعتبار سے ربح اور سود میں یہ فرق واقع ہوتا ہے کہ ایک ہے **fluid capital** اور ایک ہے **fixed capital**۔ جہاں تک مکان کا معاملہ ہے تو وہ **fixed capital** ہے۔ دس لاکھ روپے کے مکان میں جو شخص رہ رہا ہے وہ اس سے کیا فائدہ اٹھائے گا؟ وہ اس میں رہائش اختیار کرے گا اور اس کے عوض ماہانہ کرایہ ادا کرے گا۔ اس کے برعکس اگر آپ نے دس لاکھ روپے کسی کو نقد دے دیے تو وہ انہیں کسی کام میں لگائے گا۔ اس میں یہ بھی امکان ہے کہ دس لاکھ کے بارہ لاکھ یا پندرہ لاکھ بن جائیں اور یہ بھی کہ آٹھ لاکھ رہ جائیں۔ چناچہ اس صورت میں اگر آپ نے پہلے سے طے شدہ (fix) منافع وصول کیا تو یہ حرام ہو جائے گا۔ تو ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عقلی جواب نہیں دیا۔ جواب دیا کہ اللہ نے بیع کو حلال ٹھہرایا ہے اور ربا کو حرام۔۔[8]

۲۔ارشادِ عزوجل ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ[9]

اے ایمان والوں نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے[10]

اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ باطل طریقے سے مال مت کھاؤ، جب کہ تجارت کا مال رضامندی کے ساتھ کھانا حلال ہے۔

اور تجارت سے مراد ہے کہ: "ھی التصرف فی المال بالشراء والبیع لطلب الربح[11]

نفع کمانے کے لیے راس المال کا کاروبار میں لگانا:

تجارت کا اصل منشاء نفع کا حصول ہے لیکن نفع کمانے کا جائز طریقہ بھی یہ ہے کہ کسی دوسرے کو تکلیف نہ دی جائے اتنا نفع حاصل کیا جائے جتنا نفع کسی دوسرے کی پریشانی کا سبب نہ بنے یا جھوٹ بول کر اس سے نفع حاصل نہ کیا جائے اور تجارت میں وہ تمام کام بھی شامل ہیں جو کسی نہ کسی طرح آپ ﷺ نے ہمیں رزق حلال کمانے کے لیے دیکھائیں ہیں۔ تجارت کے علاوہ وہ طریقے جو حرام ہیں جیسے جواسٹہ وغیرہ اس میں ناحق اور باطل والا عنصر بھی شامل ہوتا ہے اس لیے ان کاموں سے بھی منع کر دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنا مال بھی ان کاموں میں لگانے کی ترغیب دی ہے جہاں مال سے نفع حاصل ہو اور ان جگھوں پر اپنا سرمایہ لگانے سے روکا گیا ہے جہاں معلوم ہو کہ خسارہ اور نقصان ہو جائے گا یعنی اس آیت میں اپنا مال بھی ناحق کھانے سے منع کیا گیا ہے جس طرح باطل طریقہ سے غیر کا مال کھانا جائز نہیں، خود اپنا مال بھی باطل طریق سے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔[12]

3۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ[13]

اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو[14]

اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دوران حج میں کوئی بیع وشراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہاں کفار عرب نے جو حج کو تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنالیا تھا اس کی اصلاح قرآن کے دو لفظوں سے کر دی گئی ایک تو یہ کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطا سمجھ کر حاصل کریں شکر گزار ہوں۔ محض سرمایہ سمیٹنا مقصد نہ ہو فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ میں اسی کی طرف اشارہ ہے، دوسرے لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ کے لفظ نے یہ بتلا دیا کہ اس کمائی میں تم پر کوئی گناہ نہیں جس میں ایک اشارہ اس طرف ہے کہ اگر اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اخلاص کامل میں فرق آتا ہے اور حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اس کا مدار اصل نیت پر ہے اگر کسی شخص کی نیت اصل میں دنیوی نفع تجارت یا مزدوری ہے اور ضمنی طور پر حج کا بھی قصد کرلیا یا نفع تجارت اور قصد حج دونوں مساوی صورت میں ہیں تب تو یہ اخلاص کے خلاف ہے حج کا ثواب اس سے کم ہو جائیگا اور برکات حج جیسی حاصل ہونی چاہئے وہ حاصل نہ ہوں گی اور اگر اصل میں نیت حج کی ہے اسی کے شوق میں نکلا ہے لیکن مصارفِ حج میں یا گھر کی ضرورت میں تنگی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی معمولی تجارت یا مزدوری کرلی یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں ہاں اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص ان پانچ ایام میں جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں ان میں کوئی مشغلہ تجارت ومزدوری کا نہ رکھے بلکہ ان ایام کو خالص عبادت وذکر میں گذارے اسی وجہ سے بعض علماء نے خاص ان ایام میں تجارت ومزدوری کو ممنوع بھی فرمایا ہے۔[15]

خلاصہ یہ کہ اس آیت مبارکہ سے اس بات کی طرف خوب اشارہ ملتا ہے کہ انسان نفع کی غرض سے تجارت کر سکتا ہے اور یہ اللہ کا فضل اور شکر بھی ہے۔

۴۔ فرمان الٰہی ہے:

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (16)

اور لوگ پھریں گے ملک میں ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو

لوگ رزق کی تلاش میں، نفع حاصل کرنے کے لیے دنیا کی سیر کریں گے یعنی تجارت کو اپنا پیشہ بنائیں گے اس پیشے میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں گے کیوں کہ تجارت کا ایک اہم مقصد نفع حاصل کرنا اور نفع وہ جو اللہ کا فضل اور برکت رکھتا ہو۔

نفع کی حلت میں بیان کردہ تمام آیات سے واضح ثابت ہوتا ہے نفع کمانا جائز ہے اور نفع کن ذرائع سے کمایا جائے اور کن سے نہیں اس کی بھی وضاحت اللہ رب العزت کی طرف سے فرما دی گئی ہے۔ سود کے ذریعے کمائی حرام ہے اور تجارت کے ذریعے کمائی حلال ہے۔ تجارت کے بہت سے طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ خود اپنے سرمایہ سے کاروبار کرنا یا پھر سرمایہ کم ہونے کی صورت میں دو یا زیادہ افراد مل کر کاروبار کر سکتے ہیں جس سے وہ اپنے کاروبار کو بہتر چلا سکتے ہیں اگر کوئی فرد کاروبار کرنا نہیں جانتا تو وہ اپنا سرمایہ کسی ماہر کاروبار کو دے سکتا ہے اور اس طرح وہ شخص اس کے سرمایہ اور اپنی محنت کو ملا کر کاروبار سے نفع کما سکتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص سرمایہ لگائے اور ساتھ کاروبار میں ہاتھ بھی بٹائے اور دوسرا فرد سرمایہ لگائے بغیر اپنی مہارتیں پیش کرتے ہوئے اس کے ساتھ

کاروبار کرے۔ آج کے جدید دور میں یہ کاروبار کی صورتیں اسلامی بینکوں کے نام سے چلنے والے بینکوں کے اندر موجود ہیں۔ جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگ اپنا سرمایہ بینک کے پاس رکھواتے ہیں اور نفع حاصل کرتے ہیں۔

نفع، عہد نبوی ﷺ کے تجارتی مظاہر کے تناظر میں:

نفع کی مشروعیت احادیث مبارکہ سے: ا

وعَنْ عُرْوَةَؓ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِى بِهِ شَاةً ، فَاشْتَرَى لَهُ بِهِ شَاتَيْنِ ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ وَجَاءَهُ بِدِينَارٍ وَشَاةٍ ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ ، وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ(17)

اور حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک دینار دیا کہ اس سے ایک بکری خریدیں، انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کر دیا اور ایک دینار اور ایک بکری لے کر حاضر ہو گئے نبی کریم ﷺ نے ان کی تجارت کی دعا فرمائی، پھر تو وہ ایسے ہو گئے کہ اگر مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی نفع ہو جاتا۔

تجارت کے لیے کسی کو سرمایہ فراہم کرنا اور تجارت سے ہونے والا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عروہؓ کو ایک بکری خریدنے کے لیے پیسے دیے تھے لیکن انہوں نے اس سے ایک کی بجائے دو بکریاں خریدیں اور ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی اور دوسری بکری اور دینار لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ اسی طرح اگر آج کے دور میں کوئی فرد کسی کو کاروبار کے لیے سرمایہ فراہم کرے اور اس سرمایہ سے کوئی مخصوص کام کرنے یا پھر کوئی بھی کام کرنے کی اجازت دے اور حاصل ہونے والے نفع یا نقصان میں سرمایہ کے تناسب سے شریک ہو جائے تو یہ جائز ہے اسی طرح آج کل اسلامی بینکاری نظام اپنی مہارتیں پیش کرتے ہوئے لوگوں سے سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں اور اس سرمایہ کو مختلف تمویلی سرگرمیوں میں لگاتے ہیں اور افراد بینک کے ساتھ نفع اور نقصان میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ نفع کمانے کی یہ صورت بھی جائز ٹھہرتی ہے اگر اس صورت میں کوئی شرعی خامیاں داخل نہ ہوں۔ اسلامی بینکاری کی تمویلی سرگرمیوں کی حلت کے بارے مفتی تقی عثمانیؒ اور مختلف علماء کرام کے فتوے بھی موجود ہیں۔

وعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ أَنَّ أَبَا مُوسَى الأَشْعَرِيَّ اسْتَأْذَنَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ وَكَأَنَّهُ كَانَ مَشْغُولاً فَرَجَعَ أَبُو مُوسَى فَفَرَغَ عُمَرُ فَقَالَ أَلَمْ أَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ ائْذَنُوا لَهُ قِيلَ قَدْ رَجَعَ فَدَعَاهُ فَقَالَ كُنَّا نُؤْمَرُ بِذَلِكَ فَقَالَ تَأْتِينِي عَلَى ذَلِكَ بِالْبَيِّنَةِ فَانْطَلَقَ إِلَى مَجْلِسِ الأَنْصَارِ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا لاَ يَشْهَدُ لَكَ عَلَى هَذَا إِلاَّ أَصْغَرُنَا أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ فَذَهَبَ بِأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فَقَالَ عُمَرُ أَخَفِيَ عَلَيَّ مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالأَسْوَاقِ يَعْنِي الْخُرُوجَ إِلَى تِجَارَةٍ. (18)

اور عبید بن عمیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو موسی اشعریؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے داخلہ کی اجازت چاہی انہیں اجازت نہ ملی، شاید حضرت عمرؓ مشغول تھے اور ابو موسیؓ واپس ہو گئے، جب حضرت عمرؓ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن قیسؓ کی آواز نہ سنی تھی انہیں اجازت دو تو کہا گیا کہ واپس چلے گئے حضرت عمرؓ نے انہیں بلوایا تو کہا ہمیں اس بات کا حکم دیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اس پر گواہ پیش کرو گے وہ انصار کی مجلس میں گئے اور ان لوگوں سے

پوچھا تو ان لوگوں نے کہا اس کی گواہی تو ہم میں سے سب سے چھوٹا ابو سعیدؓ بھی دے سکتا ہے، چناچہ ابو سعید خدری کو ساتھ لے گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم پوشیدہ رہا مجھ کو بازاروں میں خرید وفروخت یعنی تجارت کے لئے نکلنے نے اس حکم سے غافل کر دیا۔(19)

اس حدیث مبارکہ سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی صحابہ کرامؓ تجارت کی غرض سے گھر سے نکلا کرتے تھے اور نفع اس تجارت کا ایک اہم مقصد ہوا کرتا تھا۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا نفع اس حد تک کا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہم سے راضی ہو جائیں۔ کسی بھی صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا بھی مقصد نفع اس لیے نہیں تھا کہ ان کو دنیا سے محبت ورغبت ہو جائے۔

وعَنْ أَنَسٍ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فَآخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الأَنْصَارِيِّ فَعَرَضَ عَلَيْهِ أَنْ يُنَاصِفَهُ أَهْلَهُ وَمَالَهُ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلَّنِي عَلَى السُّوقِ فَرَبِحَ شَيْئًا مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ فَرَآهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ أَيَّامٍ ، وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَهْيَمْ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الأَنْصَارِ قَالَ فَمَا سُقْتَ فِيهَا فَقَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (20)

اور حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے کہ جب ہمارے پاس مدینہ ہجرت کرکے عبدالرحمٰن بن عوف آئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے اور سعد بن ربیع کے درمیان اخوت کردی اور سعد بڑے مالدار تھے تو سعد نے ان سے کہا کہ تمام انصار کو معلوم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ دولت مند ہوں میں اپنا مال اپنے اور تمہارے درمیان دو حصوں میں تقسیم کردوں گا نیز میری دو بیویاں ہیں لہٰذا دیکھ لو جو ان میں تمہیں پسند آئے تو میں اسے طلاق دے دوں گا جب اس کی عدت گزر جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مال اور تمہاری گھروالیوں میں برکت عطا فرمائے مجھے اس کی ضرورت نہیں مجھے تو بازار بتادو چناچہ بتادیا گیا تو وہ اس روز بازار سے لوٹے تو انہیں نفع میں کچھ گھی اور پنیر مل گیا اس حال میں عبدالرحمٰن تھوڑے ہی دن رہے حتیٰ کہ ایک روز حضور ﷺ کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کے لباس پر زردی کے کچھ دھبے لگے ہوئے تھے تو ان سے آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اسے کتنا حق مہر دیا؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ گٹھلی برابر سونا یا فرمایا سونے کی ایک گٹھلی حضور نے فرمایا تو اب ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی۔(21)

اس حدیث مبارکہ میں ایک بات واضح معلوم ہوتی ہے کہ کسی کہ سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرنا چاہیے جو کچھ اپنے بس میں ہے اور جو وسائل میسر ہیں انہیں وسائل سے اپنے مالی حالات بہتر کرنے چاہیے۔ اگر کاروبار کے لیے بھی سرمایہ کی ضرورت ہو تو کسی سے قرض لینے کی بجائے اپنے نفع سے ہی کاروبار کو بڑھانا چاہیے۔

وعن ابی هريرةؓ قال:---- إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا أَلْزَمُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ يَشْغَلُهُمُ الْقِيَامُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ---(22)

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے اور تم کہتے ہو کیا بات ہے کہ مہاجرین وانصار رسول اللہ ﷺ سے ابوہریرہؓ کی طرح روایت نہیں کرتے، حال یہ ہے کہ ہمارے بھائی مہاجرین بازار میں خرید وفروخت میں مصروف رہتے ہیں اور میرا جب پیٹ بھرا رہتا ہے تو رسول اللہ کی صحبت میں رہتا، جب وہ لوگ غائب ہوتے تو میں حاضر ہوتا جب وہ لوگ بھول جاتے تو میں یاد رکھتا اور ہمارے انصار بھائیوں کو ان کے مالی کاموں سے فرصت نہ ملتی اور میں صفہ کے فقیروں میں سے ایک فقیر تھا، میں یاد رکھتا تھا جب وہ بھول جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اپنا کپڑا پھیلائے یہاں تک کہ میں اپنی گفتگو ختم کرلوں پھر وہ اپنے کپڑے کو سمیٹ لے، تو جو بات بھی میں کہوں گا اسے یاد رہے گی میں نے اپنی کملی پھیلا دی جو میں اوڑھے ہوئے تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو ختم کر چکے ہیں تو میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا اس دن کے بعد سے میں رسول اللہ کی کوئی بات نہ بھُلا۔(23)

صحابہ کرامؓ عبادات کے ساتھ ساتھ رزق کے حصول کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے۔ حدیث مبارکہ سے رزق کمانے کی ترغیب ملتی ہے جیسے صحابہ کرامؓ کاروبار کے لیے بازار میں نکلتے اور تجارت کی غرض سے مختلف سفر کرتے کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا سرمایہ دے کر دوسرے ملک تجارت کی غرض سے بھیجتا تاکہ نفع کمایا جاسکے اسی طرح آج بھی کاروبار کی صورتیں ہیں لوگ خود بھی کاروبار کرتے ہیں اور اپنا سرمایہ دوسروں کو بھی دیتے ہیں کہ وہ اس سرمایہ سے تجارت کرے یا پھر کاروبار کرے اور نفع و نقصان میں دونوں یا سب حصہ دار ٹھہرتے ہیں اس کی جدید شکل اسلامی اصولوں پر چلنے والی کمپنی اور بینک ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تجارتی اسفار اور نفع:

ملک شام کی طرف پہلا سفر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف دو سفر کیے، پہلا: اپنے چچا کے ہمراہ؛ لیکن اس سفر میں آپ ﷺ بطورِ تاجر شریک نہ تھے؛ بلکہ محض تجارتی تجربات حاصل کرنے کے لیے آپ کے چچا نے آپ کو ساتھ لیا تھا، اسی سفر میں بحیرا راہب والا مشہور قصہ پیش آیا، جس کے کہنے پر آپ کے چچا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظت کی خاطر مکہ واپس بھیج دیا۔(24)

ملک شام کی طرف دوسرا سفر:

آپ ﷺ کے خصائص حمیدہ کو دیکھتے ہوئے حضرت خدیجہؓ نے اپنا سامان تجارت شام کی طرف لے جانے کی دعوت دی اور ساتھ ہی آپ ﷺ کو اوروں سے دوگنا منافع کی پیش کش کی اور آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ حضرت خدیجہ کا غلام "میسرہ" بھی تھا، جب قافلہ شام کے شہر بصریٰ میں پہنچا تو وہاں نسطورا راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کی علامات پہچان کر آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کی پیشین گوئی کی۔ اس کے علاوہ اور واقعات بھی پیش آئے جس میں آپ ﷺ نے لات و عزیٰ کی قسم کھانے سے انکار فرمایا۔ آپ ﷺ کے اس قافلہ میں موجود ہونے کی وجہ سے نفع معمول سے زیادہ حاصل ہوا۔(25)

یمن کی طرف دو سفر:

جو تجارتی اسفار نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وجہ سے کیے، ان میں دو سفر یمن کی طرف بھی تھے، امام حاکمؒ نے المستدرک میں نقل کیا ہے:

اسْتَأْجَرَتْ خَدِيجَةُ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفْرَتَيْنِ إِلَى جُرَشَ كُلُّ سَفْرَةٍ بِقَلُوصٍ (26)

حضرت خدیجہؓ نے نبی اکرم ﷺ کو جرش (یمن کے ایک مقام) کی طرف دو بار تجارت کے لیے اونٹنیوں کے عوض بھیجا۔

بحرین کی طرف سفر:

نبوت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرین کی طرف سفر کرنے کا بھی اشارہ ملتا ہے، وہ اس طرح کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفود حاضر خدمت ہوتے رہے، انھیں وفود میں بحرین سے وفدِ عبد القیس بھی آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ وفد سے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کے احوال دریافت فرمائے، تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا، کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو ہمارے ملک کے احوال ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ ہاں میں تمہارے ملک میں خوب گھوما ہوں۔(27)

نفع ونقصان فقہی تناظر میں فقہاء اربعہ کا مطالعہ:

صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کے دور میں تجارت کرتے اور چیزیں فروخت کر کے اس سے نفع حاصل کرتے نبی ﷺ نے اسکی اجازت دی اور آپ ﷺ نے کبھی اس سے منع نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز منافع کو حاصل کرنا حلال اور مشروع عمل ہے۔(28)

جب انسان نفع حاصل کر کے اسے اچھے مصرف میں خرچ کرے جیسے غریبوں کی خدمت، بیوی بچوں کے مصارف، نصرتِ دین اور اسی طرح کے دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنا تو یہ مال کا منافع اسے دنیا وآخرت میں کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔

قال الامام احمد ؒ لرجل لم قال له :إِنِّي فِي كِفَايَةٍ؟ قَالَ الْزَمْ السُّوقَ تَصِلُ بِهِ الرَّحِمَ وَتَعُودُ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ(29)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ایک شخص کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: بازار جایا کرو، صلح رحمی کیا کرو اور اپنی ذات میں خرچ کیا کرو۔

اور ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

فأما كسب المال فان من اقتصر على كسب البلغة من حلها فذلك أمر لا بد منه وأما من قصد جمعه والاستكثار منه من الحلال نظرنا في مقصوده فان قصد نفس المفاخرة والمباهاة فبئس المقصود وإن قصد إعفاف نفسه وعائلته وادخر لحوادث زمانه وزمانهم وقصد التوسعة على الإخوان وإغناء الفقراء وفعل المصالح أثيب على قصده وكان جمعه بهذه النية أفضل من كثير من الطاعات وقد كان نيات خلق كثير

من الصحابة رضي الله عنهم أجمعين في جمع المال سليمة لحسن مقاصدهم لجمعه فحرصوا عليه وسألوا زيادته۔[30]

اگر مال کمانے کا مقصد اپنی گزر اوقات کرنا ہے، بیوی بچوں کو محتاجی سے بچانا ہے، حوادث زمانہ سے نابرد آزما ہونا ہے۔ مسلمانوں پر خرچ کرنا ہے، فقراء و غرباء کا خیال رکھنا ہے، اسی طرح دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنے کی نیت ہے تو مال حاصل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بہت سی طاعات سے افضل ہے۔ انہی مقاصد سے بہت سے صحابہ کرامؓ نے مال حاصل کیا اور اس کی کوشش بھی کرتے تھے، ہاں اگر کسب مال فخر و مباحات کی وجہ سے ہو تو جس میں حلال و حرام کا خیال نہ رکھا جائے تو یقیناً بُرا ہے۔

قال محمد بن الحسن: ثم المذهب عند جمهور الفقهاء رحمهم الله من أهل السنة والجماعة أن الكسب بقدر مالا بد منه فريضة[31]

امام محمد بن حسنؒ نے: جمہور فقہاء کا مذہب نقل کیا ہے کہ ضرورت کے مطابق کمانا فرض ہے۔

وقال ابن حزم: وَاتَّفَقُوا أَن كسب الْقُوت من الْوُجُوه الْمُبَاحَة لَهُ ولعياله فرض إذا قدر على ذَلِك[32]

جب کوئی فرد کاروبار کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو یا پھر اس کے پاس سرمایہ موجود نہ ہو، اس صورت میں اس کو کوئی ایسا با اعتماد شخص چاہیے جو اس کو سرمایہ فراہم کرے یا پھر اس کے سرمایہ کے ساتھ اس کو کاروبار کرکے دے اور اس کاروبار کا مقصد نفع حاصل کرنا ہو۔ اب سوال معاشی نقطہ نظر سے یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنا سرمایہ کس طرح کسی دوسرے فرد کو دے؟ کیا وہ دوسرا فرد اتنا ماہر ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے پیسے سے اس کو نفع کما کر دے اور کاروبار کو خسارے میں بھی نہ جانے دے۔ اس مسئلے کو اگر آج کے دور میں حل کرنا ہو تو ناممکن سا لگتا ہے لیکن اگر ایک نظر بینکاری پر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص بینکار اور بینکاری پر اعتماد رکھتا ہے۔ کیونکہ بینکاری نظام کی بنیادیں بہت مضبوط ستونوں پر قائم کی گئی ہیں اور ماہر معاشیات اور ماہر بینکار کاروباری دنیا سے وابستگی رکھتے ہیں اور اسلامی بینکاری کے بعد اب شریعہ ایڈوائزرز کاروبار کو اسلامی طریقوں پر چلانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اب اگر کوئی فرد مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار کے لیے بینک کو سرمایہ فراہم کرے اور بینک اس سرمایہ سے خود بھی نفع حاصل کرے اور سرمایہ فراہم کرنے والے کو بھی نفع حاصل کرکے دے۔ اس حاصل کردہ نفع سے سرمایہ کار اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالے۔ ایسا نفع حاصل کرنا جو اسلامی اصولوں پر جائز ہو وہ تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ اگر اس کو دوسرے تناظر میں دیکھا جائے تو لوگ اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کے لیے بینک کے ساتھ مضاربہ کرتے ہیں تاکہ ہمارا سرمایہ بھی محفوظ رہے اور ہمیں منافع بھی ملتا رہے تاکہ ہم اپنی زندگی کی ضروریات پوری کر سکیں۔ لیکن بینک کو سرمایہ فراہم کرکے نفع اسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے جب بینک اسلامی اصولوں پر بینکاری کے نظام کو چلا رہا ہو اگر کنونشنل بینکاری میں سرمایہ رکھوایا ہے کہ نفع ملے وہ نفع نہیں اصل میں سود ہو گا۔

اسلام میں نفع کی حد کا تعین:

اسلام نے نفع کی کوئی حد مقرر تو نہیں کی لیکن کچھ معاشی اخلاقی اقدار تقویٰ، احسان، عدل، اخوت، مساوات اور لاضرر ولاضرار مقرر کر دی ہیں کہ کوئی سرمایہ کار ان اقدار کے پیشِ نظر نفع کی اس حد تک نہیں بڑھ سکتا جو ان اخلاقی اقدار کی روح کے منافی ہو۔

جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو مسلمان تجار کی مثالیں سامنے آتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح مسلمان تجار نے نفع کے لیے اسلامی اقدار کو سامنے رکھا۔

امام غزالیؒ نے اپنی تصنیف کیمیائے سعادت میں کاروبار اور باہمی لین دین میں احسان کی مختلف صورتوں پر بحث کی ہے اس کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔زیادہ نفع حاصل کرنا جائز نہ سمجھا جائے۔خواہ مشتری اپنی ضرورت کی بناء پر زیادہ قیمت دینے پر رضامند ہو۔ حضرت سری السقطی دکان پر بیٹھتے تھے۔ وہ پانچ فیصد سے زیادہ نفع کو جائز نہ سمجھتے تھے ایک دفعہ انھوں نے ساٹھ دینار کے بادام خریدے۔ بعد میں باداموں کا نرخ بڑھ گیا۔ دلال نے ان سے فروخت کے لیے طلب کیے فرمایا تریسٹھ دینار میں فروخت کردوں گا۔اس نے کہا۔ان کا بھاؤ تو ان دنوں نوے دینار ہو رہا ہے،فرمایا" ہوگا" لیکن میں نے عہد کر رکھا ہے کہ پانچ فیصد منافع سے زیادہ پر کبھی بھی کوئی چیز فروخت نہیں کروں گا۔اس لیے اپنے عہد سے روگردانی کیوں کروں۔ حضرت محمد بن المنکدر کپڑا فروخت کرتے تھے۔ایک دن ان کی عدم موجودگی میں ان کے شاگرد نے پانچ دینار والا کپڑا ایک اعرابی کے ہاتھ دس دینار میں بیچ ڈالا آپ جب واپس آئے تو حقیقت حال سے آگاہ ہوئے۔ تو اسی وقت اعرابی کی تلاش میں نکل پڑے۔بڑی تلاش کے بعد اعرابی مل گیا۔فرمایا وہ کپڑا جو تم نے میری دکان سے خریدا ہے وہ پانچ دینار سے زیادہ کا نہیں ہے اعرابی نے کہا۔ ٹھیک ہی ہے۔ لیکن میں نے اپنی مرضی رضا و رغبت سے خریدا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے اپنی رضامندی سے خریدا ہے لیکن میں جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے کسی مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند نہیں کرتا۔ پس یا تو بیع فسخ کرو یا پانچ دینار مجھ سے واپس لے لو یا پھر میرے ساتھ دکان تک چلو تاکہ میں تمہیں وہ کپڑا دوں جس کی قیمت واقعی دس دینار ہے اعرابی نے پانچ دینار واپس لے لیے۔

مسلمان تجار سلف کی یہ عادت تھی کہ نفع کم لیتے تھے اور معاملہ زیادہ کرتے تھے حضرت علیؓ کوفہ کے بازا میں پھر کر فرمایا کرتے تھے "اے لوگو! تھوڑے منافع کو رد نہ کرو کہ زیادہ منافع سے محروم نہ ہو جاؤ" حضرت عبدالرحمان بن عوف سے لوگوں نے دریافت کیا،کہ آپ کی دولت مندی کا راز کیا ہے فرمایا" میں نے تھوڑے نفع کو کبھی رد نہیں کیا"

اسلام نے جہاں منافع حاصل کرنے کے لیے اخلاقی اقدار کی تعلیم دی ہے۔اس کے ساتھ ہی منافع کے ناجائز ذرائع کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔وہ یہ ہیں :

1) **احتکار**:اشیاء کی قیمتوں کو بڑھانے کے لیے روک رکھنا تاکہ زیادہ نفع حاصل کیا جائے

2) **اتلاف مال**:اشیاء کا ضائع کر دینا تاکہ منڈیوں میں اشیاء کی رسد کم ہو جائے اور قیمتیں بڑھ جائیں

3) **تبخیس اشیاء**: زیادہ نفع کے حصول کے لیے معیار کا گرا دینا

4) **اجارہ داری**: ایک یا چند تاجر ملکر کسی شے صرف پر قبضہ کر لیتے ہیں اور پھر اس شے کو مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔

5) **بددیانتی**: مال میں بددیانتی کرکے نفع زیادہ حاصل کرنا[33]

فتاویٰ کی روشنی میں منافع کی حد:

فتاوی عثمانی میں علامہ تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالی نے لکھا ہے کہ

خرید و فروخت میں نفع کی شرعاً کوئی حد متعین نہیں، البتہ دھوکا نہیں ہونا چاہئے۔[34]

فتاویٰ محمودیہ میں تحریر ہے کہ:

منافع کی شرعاً کوئی تعداد مقرر نہیں مگر زیادہ نفع لینا مروت کے خلاف ہے۔[35]

جامع الفتاویٰ میں نفع کی حد کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

شرعاً نفع کی کچھ حد نہیں ہے لیکن زیادہ نفع لیناخلاف مروت ہے۔[36]

زیادہ نفع کی غرض سے نقصان اٹھانا:

تجارت اور معیشت سے متعلق احادیث میں جو سب سے اہم اور بنیادی مضمون بیان ہوئے ہیں وہ خرید و فروخت، تجارت اور لین دین کے قواعد ہیں۔ خرید و فروخت اور تجارت انسانی معاشرے میں شروع سے جاری ہے۔ انسان جب سے روئے زمین پر اجتماعی زندگی گزار رہا ہے، اس وقت سے اس میں کسی نہ کسی قسم کا لین دین اور تجارت بھی جاری ہے۔ وہ بہت ابتدائی نوعیت کی تجارت ہو یا بہت ترقی یافتہ نوعیت کی تجارت ہو۔ انسانوں کا کوئی معاشرہ اس سے خالی نہیں رہا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کو دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھی جو پہلے سے انسانی معاملات اور معاشرے میں جاری ہیں۔ اور ان چیزوں کو قرآن کریم نے بھی بیان نہیں کیا، اور قرآن و سنت کا بھی یہ طریقہ اور منشاء نہیں ہے جو کام روزِ اول سے ہو رہا ہو اس پر دوبارہ زور دیا جائے۔

اگر کوئی کام روز اول سے بہتر اور مثبت ہو رہا ہو تو قرآن و سنت کا اس میں یہ طریقہ رہا ہے کہ اس کو منع نہ کیا جائے بلکہ اس طرح چلنے دیا جائے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اگر کوئی کام جو کہ درست نہیں ہے اس میں اس غلط نقطے کو اجاگر کرکے اس نقطے کو نہ کرنے کی ہدایت جاری کر دی جائے۔ اس طرح اس کام کو بہتر بنا دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی کام ضرر رساں ہو تو اس کے ضرر کو دور کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کام مکمل طور پر نقصان کا باعث ہو تو اس میں قرآن و سنت کا یہ طریقہ ہے کہ اس کو حرام قرار دے دیا جاتا ہے اور اس حرام کام کو مکمل طور پر واضح بھی کر دیا جاتا ہے۔ اور اس حرام کام کے فعل کے ارتکاب کے جتنے ممکنہ راستے ہو سکتے ہیں ان سب کو بھی بند کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسانوں کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ فلاں کام جس کو وہ جائز سمجھ رہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بے ضرر ہے لیکن اگر وہ کام تواتر کے ساتھ معاشرے میں پھیل جائے تو ایک بہت بڑے نقصان اور بُرائی کا سبب بن سکتا ہے اس لیے احادیث میں کاروبار کے ایسے بہت سے طریقوں کی ممانعت کی گئی ہے جو عرب میں رائج تھے اور بظاہر ان میں کوئی بڑی قباحت معلوم نہیں ہوتی تھی لیکن غور کرنے پر پتا چلتا ہے کہ اس طرح کا کاروبار جاری رہے اور انسان اس میں مصروف ہوں، بڑی تعداد میں اس کو اختیار کر لیں تو اس سے معاشرہ اور افراد نقصان کی زد میں آجائیں گے اس لیے اللہ کی شریعت نے ان راستوں کو بند کر دیا اور ایسے تمام کاروباری طریقے حرام قرار دے دیے جن سے کسی بڑے نقصان اور حرام کام کا راستہ کھل سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ربا، قمار، غرر، سٹہ، ضرر، میسر، تدلیس، غبن، خلابہ، بیع معدوم۔[37]

ڈاکٹر محمود احمد غازی تجارت کی ممنوعہ شکلوں کی تعداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

احادیث مبارکہ میں تجارت کی 56 کے قریب صورتوں کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔اس کے ناجائز ہونے کی وجہ کسی نہ کسی طرح نقصان ہے وہ نقصان کسی فرد یا پھر معاشرے کا بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں ربا یا پھر غرر پایا جاتا ہے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتاہے کہ اگر جاہلیت کے سادہ ماحول میں اسلام سے پہلے کی سادہ تجارت میں غرر اور ربا کی 56 صورتیں پائی جاتی تھیں تو آج کی پیچیدہ معیشت میں کتنی صورتیں پائی جاتی ہوں گی۔[38]

زیادہ نفع کی غرض سے انسان کاروبار کے مختلف راستے اختیار کرتا تھا، لیکن احادیث میں تجارت کی 56 ناجائز صورتوں کا مطالعہ کیا جائے تو واضح معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام ناجائز تجارتی طریقوں کو اختیار کرنے سے نقصان کا اندیشہ نفع کمانے سے زیادہ رہتا ہے جیسے اگر تین آدمیوں نے مل کر پیسے برابر لگائے اور کسی قسمت واتفاق کی وجہ سے پوری رقم کسی ایک فرد کو مل گئی۔جس شخص کو مکمل رقم ملی وہ تو فائدے میں رہا اور بقیہ دونوں افراد نقصان میں،اس طرح ایسے کاموں میں جھگڑے کے امکانات بھی سو فیصد رہتے ہیں۔حاصل یہ کہ نفع یا زیادہ نفع کمانے کے لیے تمام ایسے راستے اختیار کرنا جس سے شریعت نے منع فرمایا ہو وہ کام کرنا ناجائز وحرام ہے اور اس سے نقصان کا ہونا کسی نہ کسی صورت لازم ہے۔

تجارت کی ممنوعہ شکلیں اور نقصان:

قبل از اسلام عرب بالخصوص مکہ مکرمہ ،مدینہ منورہ اور طائف میں رائج بعض مشہور تجارتی شکلوں کا ہم ذیل میں تذکرہ کرتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ اسلام نے ان تمام تجارتی شکلوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔

بیع منابذہ

جب بائع (فروخت کرنے والا) مشتری (خریدار) کی طرف کپڑا پھینک دیتا تو بیع لازم ہو جاتی۔[39]

بیع ملامسہ:

جب مشتری فروخت کی جانے والی چیز کو چھولیتا تو بیع لازم ہو جاتی۔[40]

بیع عربان:

نسائی (ادھار) اور بیعانہ والے معاملہ کو کہتے ہیں کہ مشتری بائع کو کچھ رقم پیشگی بطور بیعانہ دے دیتا،اس شرط پر کہ اگر مشتری بیع کو مقررہ وقت کے اندر نہ خرید سکے تو بائع بیعانہ کی رقم بطور حرجانہ ضبط کرلے گا اور اگر بائع مطلوبہ مبیع فروخت نہ کرنا چاہے تو بیعانہ کے برابر اور رقم بطور جرمانہ دے گا۔[41]

بیع نجش:

ایسی بیع جس میں زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے چالاک بائع (جو عموماً سرمایہ دار ہوتا ہے) یہ حیلہ اختیار کرتا ہے کہ وہ چند اشخاص کو اس لیے مقرر کرلے کہ جب مبیع کی بولی ہو رہی ہو تو وہ صرف قیمت بڑھانے کے لیے اپنی طرف سے زیادہ دام بتاتے جائیں، تاکہ مشتری زیادہ قیمت پر خریدنے پر مجبور ہو جائے۔[42]

بیع محاقلۃ

اناج کی بالیاں پکنے سے پہلے تاجر کھیتوں کی پیداوار خرید کر قبضہ کر لیتے، تاکہ بعد میں اپنی من مانی قیمت پر بیچ سکیں۔[43]

بیع مزابنہ

پکی اور ٹوٹی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض فروخت کیا جاتا تھا، جس میں نقصان اور جھگڑا دونوں کے امکانات ہوتے تھے۔[44]

بیع حبل الحبلۃ

مشتری اونٹنی اس شرط پر لیتا کہ جب وہ جنے، پھر اس کا جو بچہ ہو وہ جنے تب اس کی قیمت ادا کروں گا۔[45]

بیع الکالی بالکالی

اس کو بیع الدین بالدین بھی کہتے ہیں، ایسی بیع جس میں دونوں طرف ادھار ہو۔[46] اس کی کئی صورتیں ہیں، موجودہ دور میں رائج سٹہ بازی (Speculation) بھی اس کی ایک صورت ہے۔

بیع غرر

ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں عوضین میں سے ایک کی مقدار، مدت، یا قیمت متعین اور معلوم نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتے پرندوں کی بیع، جانور کے پیٹ میں بچے کی بیع وغیرہ۔[47]

اس طرح اور بھی ممنوعہ بیع ہیں جن میں بیع صفقہ، بیع مصراۃ، بیع مضطر، تلقی جلب، بیع سنین ومعاومہ وغیرہ شامل ہیں یہاں تجارت کی ان شکلوں کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ بیع میں نقصان سے کیا مراد ہے، بیع میں نقصان کس طرح ہو سکتا ہے، ان تمام تجارتی معاملات میں کسی نہ کسی طرح دھوکا، غرر، چالاکی، طرفین کی رضامندی کا نہ ہونا موجود ہے جب یہ سب چیزیں ایک تجارت میں موجود ہوں گی ایک شخص تو فائدہ لے جائے گا لیکن ایک کا فائدہ دوسرے کے لیے نقصان کا باعث ہوگا اس نقصان کے اندر زیادہ تر اندیشہ نزاع کا ہوگا جس سے تجارتی سرگرمیاں متاثر ہو سکتی ہیں۔ اس لیے اسلام نے تجارت کے ایسے طریقے متعارف کروائے ہیں جن میں طرفین کی رضامندی شامل ہو، کسی کا استحصال نہ ہو کسی طرح فریقین میں سے کسی کا نقصان لازم نہ آئے۔ اب اگر ان تجارتی یا کاروباری سرگرمیوں کو بینک کے ساتھ ملایا جائے تو کنونشنل بینک ہر حالت میں اپنے کسٹمرز کو انٹرسٹ دیتے ہیں جو انٹرسٹ طے پا گیا وہ بینک نے دینا ہی دینا ہے چاہے بینک نقصان ہی کیوں نہ اٹھائے اگر اسلامی بینکوں کے بارے دیکھا جائے تو انہوں نے کاروبار کی شرعی صورتوں کو اپنایا ہے جس سے نفع اور نقصان دونوں فریقین بینک اور ڈپازٹر کو برداشت کرنا ہوگا۔

نفع کے جدید معاشی تصورات اور بینکاری:

منافع کو کاروبار کی جان کہنا کوئی غلط نہ ہوگا، کوئی بھی معاشرہ ہو، کوئی بھی دور ہو، کوئی بھی محل ہو ہر فرد کی ضرورت ہے۔ کاروبار کا اصل منشاء و مقصد ہی نفع ہے۔ جدید دور میں اس نفع کے حصول کو مزید بہتر اور سائنسی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی گئی

ہے۔کاروباری زاویہ سے دیکھا جائے تو ہر فرد یہ ہی چاہتا ہے کہ اس کہ پاس ایسا طریقہ ہو جس کے تحت وہ اپنے کاروبار کو مزید بہتر کرسکے اور کاروبار کو بہتر بنیادوں پر حصول رزق کا ذریعہ بنا سکے۔اسی رزق کی کوشش نے انسانوں کو اس طرف گامزن کیا کہ وہ مزید معاشرتی اصطلاحات کو منظّم بنائیں۔یہ معاشرتی اصطلاحات ہر کاروبار میں میں ایک ہی طرح اثر انداز ہوتی ہیں اب ان کا بینکاری کے میدان میں کس حد تک مثبت اور منفی اثر ہے اس کا جائز لیتے ہیں۔

منافع کی تعریفات:

انوسٹوپیڈیا میں منافع کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

Profit is a financial benefit that is realized when the amount of revenue gained from a business activity exceeds the expenses, costs and taxes needed to sustain the activity. Any profit that is gained goes to the business's owners, who may or may not decide to spend it on the business.(48)

پروفیسر غلام رسول چیمہ اپنی کتاب اسلام کا معاشی نظام میں نفع کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

The share of the national income which is given to risk capital for the services in the process of production is called profit.(49)

منافع قومی آمدنی کا وہ حصہ ہوتا ہے جو نفع و نقصان کی ذمہ داری قبول کرنے والے سرمایہ کے مالک کو ادا کیا جاتا ہے۔

پروفیسر نائٹ نے منافع کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں بیان کی ہے۔

"منافع غیر یقینی حالات کا مقابلہ کرنے کا معاوضہ ہے"(50)

منافع کی تعریف کرتے ہوئے پروفیسر بولڈنگ رقمطراز ہیں۔

منافع وہ فرق ہے جو آجر کو اشیاء کی فروخت سے حاصل ہونے والی آمدنی اور اسے پیدا کرنے کے تمام مصارف کے درمیان ہوتا ہے۔(51)

حسابیات(Accounting)کا منافع:

Accounting profit is the difference between total revenue and total cost where total cost equals explicit costs.

Accounting profit = Total revenue – Total cost (Explicit costs)(52)

معاشیات(Economics)کا منافع:

***Economic profit** is the difference between total revenue and total cost, where total cost equals the sum of explicit and implicit costs.*

Economic profit = Total revenue – Total cost (Explicit costs – Implicit costs)(53)

عیاں لاگتیں(Explicit costs):

کسی کاروباری یا بینکاری سرگرمی کی وہ لاگتیں جو کہ براست اسی سرگرمی سے منسوب کی جاسکیں، مثلاً محنت کشی اور سامان کی لاگتیں، اور نصبیہ لاگتوں کا ایک تخمینہ جو کسی شے کی پیداوار کے لیے خرچ کیا گیا ہو یا کسی بینکاری خدمت کو مہیا کرنے پر خرچ کیا گیا ہو، عیاں لاگتیں مضمر لاگتوں کے برعکس ہیں جنہیں براست طور پر کسی کاروبار یا خدمت کے ساتھ منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

مضمر لاگتیں(Implicit costs):

ایسے کاروباری اخراجات جنہیں کاروبار کی سرگرمی سے منسوب نہ کیا جاسکے اگرچہ وہ کاروبار کی مجموعی لاگت کا جزو ہوں۔ مثلاً مقدمہ بازی کی لاگت، تاوان یا خوشنودیاں، یا حفاظتی پریمیم، جیسے کہ بھتہ جو کاروبار جاری رکھنے کے لیے ضروری دینا پڑے۔

پروفیسر فضل الرحمٰن منافع کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

قومی آمدنی کا جو حصہ تنظیم کو دیا جاتا ہے منافع کہلاتا ہے۔

نفع میں بے شمار دیگر اجزاء بھی ہوتے ہیں جو صحیح معنوں میں منافع نہیں ہوتے بلکہ ایسے عاملین پیدائش کا حصہ ہوتے ہیں جنہیں تنظیم خود مہیا کرتی ہے۔ مثلاً اگر زمین اور اصل زر خود تنظیم نے مہیا کیے ہیں تو لگان کا نفع تنظیم ہی کو ملے گا لیکن اس کو منافع نہیں کہا جائے گا۔ اس طرح اگر تنظیم نے مزدوری وغیرہ کی ہے تو اس کو اس کی اجرت ملے گی۔ لیکن یہ منافع نہیں ہوگا۔ اس بنا پر منافع کے معنوں میں مختلف معیشتوں کو غلط فہمیاں ہوئیں ہیں کسی نے ایک جزو کو منافع سمجھا اور دوسرے نے کسی اور جز کو نفع کے معنوں میں لے لیا ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہم مختلف تعریفات اوپر بیان کرچکے ہیں تاکہ نفع کی حقیقت کو باخوبی سمجھا جاسکے۔[54]

نفع کی تعریفات سے جو نکات واضح ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والے فائدے کو آمدنی کہتے ہیں جو کہ تمام قسم کے اخراجات کو منہا کرکے حاصل ہوتی ہے۔
- پیداواری عمل سے حاصل ہونے والی آمدنی جو کہ قومی آمدنی کا حصہ ہو نفع کہلائے گی۔
- سامان کی خرید و فروخت کے فرق کو نفع کہتے ہیں۔
- اکاؤنٹنگ اور اکنامکس کے نفع میں عیاں اور مضمر لاگتوں کا فرق پایا جاتا ہے۔
- ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ بینک کے پاس جو سرمایہ موجود ہوتا ہے اس سرمایہ کو نفع کی غرض سے کسی کاروبار میں لگایا جائے اور اس سرمایہ سے حاصل ہونے والی آمدن میں سے تمام اخراجات منہا کردیے جائیں تو بچ جانے والی آمدنی نفع کہلاتی ہے۔

تھیوری آف پروفٹ(Theory of profit)

مسئلہ منافع معاشیات کا وہ مسئلہ ہے جس پر معیشتوں کا بہت کم اتفاق ہوا ہے۔ مختلف معیشتیں، مختلف رائے دیتی ہیں۔ اس اختلاف رائے کی بڑی وجہ یہ ہی رہی ہے کہ وہ خالص منافع کو چھوڑ کر معمولی منافع (مرکب منافع) کے مختلف اجزاء کے پیچھے لگے رہے ہیں۔ بعض نے

منافع کو محض اجرت کی ایک شکل سمجھا۔ کئی ایک نے اسے اصل زر کا حاصل خیال کیا۔ لیکن ان تمام خیالات سے نفع کے حصول میں کوئی فرق واضح ہوتا ہے کہ نہیں اور بینکاری پر ان کے اثرات معلوم ہوتے ہیں یا نہیں ہم اس بات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

واکر (Walker) تھیوری آف پروفٹ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :

> منافع محاصل پیدائش یعنی تنظیم کا معاوضہ ہے، جو اسے محض ذاتی قابلیت اور خطرہ مول لینے کی وجہ سے ملتا ہے اور چونکہ تمام بیوپاری ایک سی قابلیت کے نہیں ہوتے لہٰذا ان کی محنت کا معاوضہ جو ان کو منافع کی شکل میں ملتا ہے یکساں نہیں ہوتا، بعض کا زیادہ، بعض کا کم اور بعض کا منافع آخری حد پر ہوتا ہے اور ایسے ہی لوگ آخری تنظیم یعنی مختتم کاروباری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔اور منافع کا تعین بالکل لگان کی طرح ہوتا ہے یعنی آخری مقام، مقام مختتم پر کوئی لگان نہیں باقی سب پر لگان ہوتا ہے۔[55]

ہر بینک کا نفع ایک جیسا نہیں ہوتا ہر بینک کسی نہ کسی طرح اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا نفع دوسرے بینکوں سے ہمیشہ زیادہ ہی ہو۔ لیکن زیادہ نفع کے حصول کے لیے انہیں محنت بھی زیادہ کرنا پڑتی ہے صرف قابلیت سے نفع کو زیادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔اور محنت کے ساتھ ساتھ جتنا بڑا خطرہ ہوگا اتنا نفع بھی بڑا ہی ہوگا۔

منافع کا نظریہ لگان(Rent theory of profit)

امریکی ماہر معاشیات پروفیسر فرانس واکر کے مطابق

> "منافع کا تعین زمین کے لگان کی طرح ہوتا ہے جس طرح بعض زمینیں زیادہ زرخیز ہوتی ہیں اور بعض کم اسی طرح بعض آجر زیادہ تنظیمی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور بعض کم۔"

پروفیسر واکر کے مطابق جو ناظم زیادہ تنظیمی صلاحیت کا مالک ہوگا اس کا منافع بھی زیادہ ہوگا اور جو ناظم کم تنظیمی صلاحیت کا مالک ہوگا اس کا منافع بھی کم ہوگا۔ لیکن پروفیسر فرانس واکر کے بیان کردہ فارمولا میں نقص بھی ہے کہ لگان تو زمین سے حاصل ہوتا ہے جو قدرت کا مفت عطیہ ہے اور اس کی رسد محدود ہوتی ہے۔ لیکن آجر کی رسد محدود نہیں ہوتی زیادہ منافع ہونے کی صورت میں رسد زیادہ ہو جاتی ہے لگان اور منافع میں دوسرا فرق یہ ہے کہ لگان منفی نہیں ہوتا۔ جبکہ منافع منفی ہو سکتا ہے جبکہ اسے نقصان برداشت کرنا پڑے لہٰذا ثابت ہوا کہ لگان اور منافع کا تعین ایک ہی طرح سے نہیں کیا جا سکتا۔[56]

منافع کا نظریہ اجرت(Wage theory of profit)

امریکی ماہرین معاشیات پروفیسر ٹازنگ (Taussing) اور ڈیون پورٹ کے مطابق منافع بھی اجرت کی شکل ہے ان کے مطابق آجر بھی ایک مزدور کی طرح ہوتا ہے آجر اور مزدور میں فرق یہ ہے کہ آجر کی محنت ذہنی اور انتظامی ہوتی ہے جبکہ مزدور کی محنت جسمانی ہوتی ہے، اس لیے منافع کا تعین بھی مزدوروں کی اجرت کی طرح ہوتا ہے۔

اس نظریہ میں ایک نقص ہے وہ یہ کہ آجر کا منافع مزدور کی اجرت کی مانند ہے لیکن ان کے کام مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں آجر غیر یقینی حالات کا خطرہ مول لیتا ہے اور نفع و نقصان کی ذمہ داری اٹھاتا ہے لیکن مزدور کو ان خطرات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کو کام کا معاوضہ ہر حالت میں ملتا ہے۔[57]

خطرہ مول لینے کا نظریہ(Risk taking theory of profit)

پروفیسر (Hawley) کے مطابق "منافع کاروباری خطرات مول لینے اور نفع و نقصان کی ذمہ داری اٹھانے کا معاوضہ ہوتا ہے۔"[58]

کیونکہ کاروباری فرد جب کوئی کاروبار کرتا ہے تو کاروبار میں نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے جسے برداشت کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے اگر منافع ہو تو اس کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔

غیر یقینی حالات کو برداشت کرنے کا معاوضہ(Uncertainty theory of profit)

پروفسر نائٹ کے مطابق "آجر کا کام غیر یقینی صورت حال کو برداشت کرنا ہوتا ہے اس لیے کاروبار سے جو بچت ہوتی ہے وہ آجر کا منافع ہے۔ گویا آجر کو غیر یقینی صورت حال برداشت کرنا ہوتی ہے اس لیے منافع کا حقدار بھی وہی ہے"۔[59]

منافع کا متحرک نظریہ(Dynamic theory of profit)

جے بی کلارک کے مطابق "انسانی آبادی اور انسانی خواہشات میں آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اس متحرک دنیا میں آجر اپنی تخلیقی قوتوں سے کام لے کر اشیاء کی پیدائش میں جدت پیدا کرتا ہے تاکہ وہ دوسرے آجر سے سبقت لے جائے آجر کی اس جدوجہد کے بدلے جو معاوضہ ملتا ہے وہ اس کا منافع ہے"[60]

پروفیسر کلارک کے مطابق اگر انسانی خواہشات میں جدت پیدا نہ ہو تو نئے طریق پیدائش کو فروغ دینے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اس طرح آجر کا منافع بالکل غائب ہو سکتا ہے۔

پیداواری مختتم کا نظریہ(Marginal productivity theory of profit)

پروفیسر Chap Man کے خیال کے مطابق جس طرح مزدور کی اجرت کا تعین اس کی مختتم پیداواری سے ہوتا ہے بالکل اسی طرح آجر کا معاوضہ بھی اس کی مختتم پیداواری سے مقرر کیا جاتا ہے اگر آجر کی مختتم پیداواری زیادہ ہو تو منافع زیادہ ہوتا ہے اگر مختتم پیداواری کم ہو تو منافع کم ہوتا ہے۔[61]

آجر کی پیداواری مختتم سے مراد پیداوار میں وہ اضافہ ہے جو مختتم آجر کی بدولت رونما ہو۔ مختتم آجر وہ ہوتا ہے جسے نہ بہت زیادہ منافع ہو اور نہ نقصان برداشت کرنا پڑے یعنی اسے اتنا منافع حاصل ہوتا ہے جو اسے کاروبار میں رہنے کے لیے مجبور کرتا ہے اگر یہ منافع بھی آجر کو نہ ملے تو وہ کاروبار نہیں کرے گا۔

منافع کا جدید نظریہ (Modern theory of profit)

پروفیسر الفرڈ مارشل کہتے ہیں "جس طرح منڈی میں شے کی قیمت اس کی طلب و رسد (Demand and Supply) کے باہمی توازن سے طے پاتی ہے اسی طرح آجر کا منافع بھی کاروباری نظام میں اس کی انتظامی قابلیت کی طلب و رسد (Demand and Supply) کی باہمی توازن سے طے پاتا ہے۔" (62) اسی لیے اس نظریہ کو طلب و رسد کا نظریہ بھی کہتے ہیں۔

ایک کاروباری کو کاروبار میں غیر یقینی حالات کا مقابلہ اور خطرات مول لینا بھی پڑتے ہیں لیکن جب اسے منافع حاصل ہو تو اس کا مالک کون ہو گا؟ ظاہر ہے جسے یہ امور برداشت کرنا پڑیں وہ ہی حقدار ہے۔ (63)

منافع کے نظریات سے حاصل ہونے والے نتائج بینک کے تناظر میں درج ذیل ہیں:

- بینک جتنا بڑا خطرہ برداشت کرے گا اتنا ہی نفع زیادہ حاصل ہو گا۔
- جس بینک کے پاس جتنا زیادہ سرمایہ ہو گا اس بینک کے پاس اتنی آمدن زیادہ ہو گی۔
- بینک ایک برانچ پر لاگت برداشت کرتا ہے اس کے بعد ہزاروں کسٹمرز سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔
- بینک نفع کی ایک معمولی مقدار کسٹمرز کو پہنچاتا ہے اور زیادہ نفع خود رکھتا ہے یہ نفع اس کی محنت، قابلیت اور خطرہ برداشت کرنے کا معاوضہ ہے۔
- بینک کے ملازمین کسی ایک قابلیت کے نہیں ہوتے جو ملازم زیادہ سرمایہ لائے گا اس کی تنخواہ بھی زیادہ طے پائے گی اور جو صرف بینک میں بیٹھ کر چاہے جتنی بھی محنت کر لے اس کا معاوضہ کم ہو گا۔
- سرمایہ، سرمایہ کو اپنے طرف لاتا ہے اسی طرح نفع، نفع کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔
- بینک ایک اچھی تنظیمی صلاحیتوں کے مالک ہیں اس لیے جو بینک زیادہ اچھی تنظیمی صلاحیتیں رکھتے ہیں ان کا نفع بھی دوسرے بینکوں سے زیادہ ہوتا ہے۔
- بینک جب غیر یقینی صورت حال برداشت کرتے ہوئے سرمایہ کاری کرتے ہیں تو ان کے نفع کی مقدار بھی اسی تناسب سے زیادہ ہوتی ہے۔
- نت نئی ایجادات اور لوگوں کے بدلتے ہوئے رجحانات کی بدولت بینک کو بھی ہر وقت اس بات کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے کسٹمرز کے لیے کچھ نئی مصنوعات متعارف کروائیں تاکہ اس سے بینک کا نظام معاشرے کے ساتھ قائم دائم رہے۔
- بینک کے پاس ایک ٹارگٹ موجود ہوتا ہے کہ کم از کم اتنا سرمایہ درکار ہے بینک اس سرمایہ کے مکمل ہونے کے بعد بھی رقمیں وصول کرنا نہیں چھوڑتا بلکہ یہ بینک کی نظر میں اس کا بونس کہلاتا ہے۔
- بینک جو نفع تقسیم کرتا ہے اور جو وصول کرتا ہے وہ ایک قسم کا منڈی کی طلب و رسد کے توازن کے نتیجہ میں ہی وجود میں آتا ہے۔

@ 2021 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

مصادر و مراجع

(1)سورۃ النساء:۵

(2)مولانا فتح محمد جالندھری، ترجمہ قرآن کریم،، رفاہ عام پریس، لاہور، ۱۹۰۸ء، ص:۱۲۵

(3)علامہ شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی،، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۷ء، ج:۱، ص:۳۶۹

(4)سورۃ البقرۃ:۲۵۷

(5)مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:1، ص:۶۴۳

(6)مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:1، ص:۶۴۹

(7)سورۃ البقرۃ:۲۵۷

(8)ڈاکٹر اسرار احمد، تفسیر بیان القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۸ء، ج:1، ص:۱۶۴

(9)سورۃ النساء:۲۹

(10)مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:۲، ص:۳۷۶

(11)الراغب الاصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، دار قلم، دمشق، الطبعہ الثالثہ، ۱۴۲۳ھ، ص:۱۶۳

(12)مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:۲، ص:۳۷۸-۳۸۰

(13)سورۃ البقرۃ:۱۹۸

(14)مولانا فتح محمد جالندھری، ترجمہ قرآن کریم، ص:۵۰

(15)مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:۱، ص:۴۷۸-۴۸۲

(16)سورۃ المزمل:۲۰

(17)ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب حد شنی، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، ج:۴، ص:۲۰۷، (۳۶۴۲)؛ امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیساپوری، صحیح مسلم،، کتاب الآداب، باب الاستئذان، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۱۶ھ، ج:۳، ص:۱۳۵۱ (۲۱۵۳)

(18)ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب الخروج فی التجارۃ، ج:۳، ص:۵۵، (۲۰۶۲)

(19)ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری، صحیح البخاری، مولانا امجد العلی (مترجم)، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۵ء، ج:۱، ص:۸۸۲

(20)ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب کیف النبی ﷺ بین الصحابہ، ج:۵، ص:۶۹،(۳۹۳۷)
(21)ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری، عطاالباری شرح صحیح البخاری،، مولانا محمد عطاالمنعم (مترجم)،ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۳۳ھ، ج:۱، ص:۷۲۳
(22)ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الحجۃ علی من قال ان احکام النبی ﷺ کانت ظاھرۃ وماکان یغیب بعضھم من مشاھد النبی ﷺ واموالاسلام،، ج:۹، ص:۱۰۸،(۷۳۵۴)؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الاصحابہؓ، باب من فضائل ابی ھریرۃ الدوسیؓ، ج:۴، ص:1539(۲۴۹۲)
(23)الحافظ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمن ابن رجب حنبلی، فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، دار ابن الجوزی، الدمام، ۱۴۲۲ھ، ج:۴، ص:۳۴۰
(24)شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ، ادارہ اسلامیات، کراچی، ۲۰۰۲ء، ج:۱، ص:۱۲۹؛ عبدالرحمٰن ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، مترجم: حکیم احمد حسین الہ آبادی، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۹ء، ج: سوم، ص:۴۶؛ ابی جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری اردو، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۳ء، ج:۲، ص:۶۹
(25)ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری، طبقات ابن سعد، مترجم: عبداللہ العماوی، ۲۰۰۳ء، ج:۱، ص:۱۴۲-۱۴۴؛ ابی جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج:۲، ص:۷۲
(26)أبو عبداللہ الحاکم النیسابوري، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ، ج:۳، ص:۲۰۰
(27)مکمل حدیث ملاحظہ ہو: امام احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبلؒ مترجم، مترجم، مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج:٦، ص:٤٤٦_۴۴۸
(28)ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری، بخاری شریف شرح صحیح البخاری، مولانا امجد العلی (مترجم)، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۵ء، ج:۳، ص:۹۱۶-۹۱۷
(29)ابو عبداللہ محمد بن مفلح المقدسی، الآداب الشرعیہ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، طبع ثالث، ج:۳، ص:۴۲۸
(30)ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی، تلبیس ابلیس، دار الوطن، الریاض، ١٤٢٣ه، ج:۳، ص:١٠٦٨؛ الجامع لاحکام القرآن، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر القرطبی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۷ھ
(31)محمد بن الحسن الشيباني، الكسب،، عبد الهادي حرصوني، دمشق، ١٤٠٠، ص: ٤٤
(32)أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم، مراتب الإجماع في العبادات والمعاملات والاعتقادات، دار الكتب العلميه، بيروت، ص: ١٠٠
(33)غلام رسول چیمہ، اسلام کا معاشی نظام، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۲۲۱-۲۲۲
(34)مفتی تقی عثمانی، فتاوی عثمانی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۰ء، ج۳، ص ۲۵۳

(35)مفتی محمود حسن گنگوہی، فتاویٰ محمودیہ، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ، کراچی، ج:۱۶، ص:۴۸

(36)جامع الفتاویٰ، اشرفیہ مجلس علم وتحقیق، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۹ھ، ج:۶، ص:۲۷

(37)ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات معیشت وتجارت، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۵۲-۵۳

(38)ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات معیشت وتجارت، ص:۲۳۸

(39)مولانا سعید احمدؒ پالنپوری، رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ، زمزم پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۵ء، ج:۴، ص:۵۵۸

(40)ایضاً

(41)ایضاً، ج:۴، ص:۵۵۹

(42)مفتی تقی عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۸ء، ج:۲، ص:۱۷۳

(43)مولانا حسین احمد پالنپوری، تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی، زمزم پبلشرز، کراچی، ۲۰۱۱ء، ج:۴، ص:۱۲۶

(44)مولانا حسین احمد پالنپوری، تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی، ج:۴، ص:۱۲۶

(45)مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، جدید فقہی مباحث، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۲۰۰۹ء، ج:۱۶، ص:۴۳۶

(46)علاء الدين أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۰۶ھ، ج:۵، ص:۱۳۴

(47)موسوعہ فقہیہ، وزارت اوقاف واسلامی امور کویت، جینوین پبلیکیشنز اینڈ میڈیا، نیو دہلی، ۲۰۰۹ء، ج:۹، ص:۱۲۳

(48)http://www.investopedia.com/terms/p/profit.asp, accessed on July 31,2017

(49)غلام رسول چیمہ، اسلام کا معاشی نظام، ص:۲۲۱

(50)حکیم ایم۔اے قاسم، حضرت محمدؐ بحیثیت ماہر معاشیات، علم وعرفان پبلشرز لاہور، 2003ء، ص114

(51)ایضاً

(52)Roger A. Arnold, Economics, Cengage Learning, Canada,2010,P:432

(53)Roger A. Arnold, Economics,P:432

(54)علم معاشیات، فضل الرحمن، ص:۳۰۴-۳۰۵

(55)علم معاشیات، فضل الرحمن، ص:۳۰۶-۳۰۷

(56)Roger A. Arnold, Economics,P:634

(57)William Boyes, Michael Melvin, Fundamentals Of Economics (FOURTH EDITION), Houghton Mifflin Company, Boston, New York,2009,P:104

(58)Frederick B. Hawley, The Risk Theory of Profit, *The Quarterly Journal of Economics, July 1893, Vol.7, P:465*

(59)http://businessjargons.com/knights-theory-of-profit.html, accessed on July 31,2017

(60)J.B. Clark, The Distribution of Wealth,p:85 From http://www.hetsa.org.au/pdf-back/30-A-6.pdf, accessed on July 31,2017

(61)Case et al., Principles of Economics, Prentice Hall, Boston,2012,P:161

(62)Alfred Marshall, Principles of Economics, Macmillan and Co., New York, 1890, P:406

(63)حکیم ایم۔اے قاسم، حضرت محمدؐ بحیثیت ماہر معاشیات، ص118-116